شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی : حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری قدّس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ : حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

جنوری 2023ء / جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ • جلد نمبر 15، شمارہ نمبر 1 • قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

مجلسِ ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- میثاقِ عدل کی واضح طور پر خلاف ورزی
- عذابِ جہنم سے بچانے والے اعمال
- حضرت سعید بن عاص اُموی رضی اللہ عنہٗ
- سال بدلا ہے ، نظام بھی بدلو
- اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر واذکار (8)
- علامہ ابنِ خلدونؒ کے اقتصادی نظریات (3)
- تبدیلیٔ نظام؛ وقت کی سب سے بڑی ضرورت
- ایشیا بحرالکاہل اور عربوں کا اتحاد
- اسلام اور انسانی حقوق کی ادائیگی کا تصور
- سود اِنسانی حقوق کو غصب کرنے کا ذریعہ ہے
- زکوٰۃ کے حقیقی مقاصد کا اِدراک
- قرض کی اصل حقیقت؛ عقدِ تبرُّع ہے
- حضرت مولانا شاہ اللہ بخش بہاولنگریؒ
- مولانا محمد حنیف میواتی امینیؒ؛ آہ! اب نہیں رہے!
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ — مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ:

''(محض پڑھنے پڑھانے کی) محنت (تربیتِ اَخلاق میں) کچھ (نتیجہ خیز) نہیں۔ (تربیت میں) اصل تو (مرشدِ حق سے) تعلق، محبت اور خدمت وصحبت ہے اور (اس سے) عشق کی بات ہے۔ شیخ (مرشدِ صالح) سے عشق ہو تو (یہ) عشق بڑی آسانی سے سب کچھ (تربیت کی تمام منزلیں طے) کرا دیتا ہے، وہی استادِ راہ ہو جاتا ہے۔ (محض) زیادہ محنت اور پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں بنتا، بلکہ دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ پیر (مرشدِ حق) کی محبت، اس کی خدمت اور اس کی صحبت کی برکت (ہی مؤثر ہوتی) ہے۔ حضرت (مولانا سیّد حسین احمد) مدنیؒ نے (دارالعلوم میں) پڑھانا بھی اسی لیے اختیار کیا (تھا) کہ (ان کی صحبت وتربیت میں) لوگ آئیں، مگر اچھی استعداد کے لوگ (بڑی تعداد میں) آتے نہیں۔ جب (ایسے) لوگ نہ آئیں تو (تربیت یافتہ) آدمی کہاں سے بنیں''۔

(۲۲/شوال المکرّم ۱۳۶۷ھ/ 28/اگست 1948ء، بروز: ہفتہ۔ مقام: رائے پور)

(ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 365، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

(اعتذار: گزشتہ شمارہ دسمبر 2022ء کے سرورق پر ارشادِ گرامی کی دوسری سطر میں آیتِ قرآنی کا درست حوالہ یہ ہے: 25-الفرقان: 7)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

www.rahimia.org

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

میثاقِ عدل کی واضح طور پر خلاف ورزی

سورت البقرہ کی گزشتہ آیت (84) میں بنی اسرائیل کے میثاقِ عدل کا تذکرہ تھا۔ اس معاہدے کی دو شِقیں تھیں: (1) وہ ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے۔ (2) وہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے باہر نکال کر جلاوطن نہیں کریں گے۔ درجِ ذیل آیت (85) میں اُن کی طرف سے اس معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی کا ذکر ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ (پھر تم وہ لوگ ہو کہ ایسے ہی خون کرتے ہو آپس میں): بنی اسرائیل نے معاہدے کی پہلی شِق کی خلاف ورزی کی اور اپنے سماج میں ذاتی مفادات اور گروہی طبقات کی بنیاد پر ایک دوسرے کا قتل کرنا شروع کردیا۔ طاقت ور حکمران طبقے دوسری اقوام کے لوگوں کے ساتھ مل کر اپنی ہی قوم کے انسانوں کو قتل کرتے تھے۔ اور اس طرح اُن سے مفادات اُٹھاتے تھے۔

وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ (اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقے کو اُن کے وطن سے): بنی اسرائیل نے معاہدے کی دوسری شِق کی بھی خلاف ورزی کی۔ اُن میں سے ایک فرقہ دوسرے فرقے کو وطن سے بے وطن کرنے میں اَغیار کا ساتھ دیتا تھا۔ ذاتی، گروہی اور طبقاتی مفادات کے لیے دوسری اقوام کے ساتھ مل کر اپنی ہی قوم کے نوجوانوں کو اپنے ہی ملک سے جلاوطن اور بے گھر کردیتے تھے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ لکھتے ہیں: ''مدینے میں دو فریق یہودیوں کے تھے: ایک بنی قُریظہ، دوسرے بنی نضیر۔ یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے۔ اور مشرکوں کے بھی مدینے میں دو فرقے تھے: ایک اَوس، دوسرے خزرج۔ یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے۔ بنی قُریظہ تو اَوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج کے ساتھ دوستی کی تھی۔ (آپس کی) لڑائی میں ہر کوئی اپنے منافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا۔ جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلاوطن کر کے اُن کے گھر ڈھاتے (تھے)''۔

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (چڑھائی کرتے ہو اُن پر گناہ اور ظلم سے): دوسری اقوام کے ساتھ مل کر اپنے ہی لوگوں پر چڑھائی کر کے سخت گناہ کا ارتکاب کرنا اور ظلم و زیادتی کا معاملہ کرنا یہودیوں کا وطیرہ بن چکا تھا۔

وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ (اور اگر وہی آویں تمھارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو اُن کا بدلہ دے کر چھڑاتے ہو): اُن کی عادت تھی کہ پہلے قوم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اپنی ہی قوم کے لوگوں کے ساتھ لڑائی کرتے اور انھیں گرفتار کرواتے تھے۔ پھر تورات میں بیان کردہ قانون کے مطابق قیدیوں کی رہائی کے لیے مال جمع کرتے اور ان قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے دشمنوں کو فدیے کے طور پر مال دیتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ مزید فرماتے ہیں: ''اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رَل مِل کر مال جمع کر کے اُس کا بدلہ دے کر قید سے اُس کو چھڑاتے (تھے)''۔

وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (حال آں کہ حرام ہے تم پر اُن کا نکال دینا بھی): حال آں کہ میثاقِ عدل کی دوسری شِق کے مطابق اُن پر یہ حرام تھا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو جلاوطن نہ کریں اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کریں۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ہماری قوم ملک پر مسلط کافروں (انگریزوں) کی صف میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑتی رہی ہے۔ خاص طور پر انھوں نے جنگِ عظیم اوّل میں انگریز سامراج کے ساتھ دوستی اور موالات کی تھی۔ یہ اُن کے دین کی بہت بڑی کمزوری رہی ہے کہ وہ عیسائی حکمرانوں کے ماتحت رہ کر کام کرتے رہے ہیں۔

لیکن مجھے اس بات پر بڑا فخر ہے کہ ہمارے علمائے دیوبند میں سے ہمارے مشائخ وہ حضرات ہیں کہ جنھوں نے انگریزوں کے ساتھ اس دوستی اور موالات کی قباحت اور خرابی کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ اگرچہ انگریزوں کے ساتھ دوستی کرنے کے اس گناہ میں شریک ہونے سے عام مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی پوری طاقت اور قوت سے دین میں خیانت کرنے والے ایسے لوگوں کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا ہے۔ ان علمائے حق کی یہ کمزور سی تحریکِ آزادی ٹھنڈی نہیں ہوئی، بلکہ آہستہ آہستہ بڑھتی گئی اور بہ تدریج ملک کی آزادی کی یہ تحریک ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، لیکن ہمارے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات (1905ء) کے بعد ہماری جماعت میں جو جمود اور سکون پیدا ہوا، اس نے ہمارے لیے اپنے مقصد کی کامیابی میں بہت زیادہ تاخیر کردی۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم منہ بھر کر فخر کا اظہار کریں، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے مشائخ میں ایسے لوگ بھی تھے، جو ہمارے شیخ المشائخ (حضرت گنگوہیؒ) کی وفات کے بعد اُن کے طریقے پر چلتے رہے۔ وہ جماعت کی اجتماعیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی قدرت کے مطابق تحریکِ آزادی کے راستے پر چلتے رہے۔ اگر جنگِ عظیم اوّل (1914ء تا 1918ء) مزید دو سال کی تاخیر سے شروع ہوتی تو اس تحریک کو منظّم کرنے کے لیے کافی فرصت مل جاتی۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی صورت میں یہ تحریک اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوجاتی۔ اس سست روی کے زمانے میں ہماری جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے، جو رجعت پسند اور گھروں میں دبک کر بیٹھنے والے تھے۔ وہ اپنے مقصد اور دل کی بات واضح طور پر بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اس لیے کہ جدوجہدِ آزادی کے امور کے لیے ایک جماعت پورے طور پر قائم تھی۔ نیز جدوجہد کا یہ کام صرف ہمارے شیخ (مولانا محمود حسنؒ) تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ اُن کے ساتھ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متبعین کی ایک جماعت اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے متبعین کی ایک جماعت — مثلاً مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ہیں — پورے طور پر شامل رہے۔ وہ ہمارے شیخ، شیخ الہند (محمود حسنؒ) کے حجاز جانے کے بعد مجاہدینِ آزادی کے سربراہ اور رئیس مقرر ہوئے تھے۔ (بقیہ صفحہ: 12 پر)

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

عذابِ جہنم سے بچانے والے اعمال

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ''أَلا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ، أَو بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلٰى كُلِّ قَرِيْبٍ، هَيِّنٍ، سَهْلٍ''. (السّنن للتّرمذی، حدیث: 2488)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے! 1۔ لوگوں سے قریب رہنے والے، 2۔ آسانی کرنے والے، 3۔ اور نرم اَخلاق والے پر جہنم حرام ہے۔)

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ ایک مؤمن کے اہم مقصد کے حصول کی حکمتِ عملی بتا رہے ہیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ آخرت میں انسان کو جہنم سے چھٹکارا اور اللہ کی رضا کے مقام جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ نے ان تین چیزوں کا ذکر کیا ہے، جو انسان کو جہنم سے بچائیں گی:

(1) لوگوں سے قریب رہنے والے، یعنی انسان کی زندگی اس طرح کی ہو کہ جس میں لوگوں کو اس کے ساتھ ملنے جلنے اور اسے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں کسی قسم کا کوئی حجاب اور کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ اور وہ بلا کسی تکلف لوگوں کے ساتھ اپنا رابطہ قائم رکھنے والا ہو۔ کبر و غرور سے پاک، انسانی ہمدردی رکھنے والے اور لوگوں کے دُکھوں اور خوشیوں میں شریک ہونے والے لوگ عمدہ اَخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔

(2) یہ لوگ آسانی کرنے والے ہوتے ہیں، یعنی لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک اختیار کرتے ہیں کہ ان کی وَجہ سے لوگ اپنی زندگیوں میں آسانیاں محسوس کریں۔ معاشی، سماجی طور پر یا دیگر اَور معاملات میں دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا کہ جو ان کے لیے راحت، آرام اور سکون کا باعث بنے، بہت اونچا خلق ہے۔

(3) ایسے لوگ جو نرم اَخلاق والے ہوں، یعنی جن کے رویوں میں سختی، درشتی اور دوسرے انسانوں کے لیے بے جا ایسا طرزِ عمل نہیں ہوتا جو اُن کے لیے بلاسبب تکلیف کا باعث ہو، یا انھیں مشکل اور سختی میں ڈالے۔ یہ وہ اُمور ہیں جو دوسرے انسانوں کے لیے دنیا میں پُرسکون، باوقار اور آسانی والی زندگی گزارنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

زیرِ غور حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عقائد و عبادات کے اہتمام کے بعد اہم ترین راہِ عمل انسان کے وہ عمدہ اخلاق ہیں کہ جس سے دوسرے انسانوں کو فائدہ ہو۔ اور لوگوں کے لیے ایسے مؤمن کے ساتھ مل کر پُرسکون، باوقار، خوش حال اور خوشیوں والی زندگی گزارنا ممکن ہو جائے۔ یہ طرزِ عمل انسان کے لیے جہنم سے چھٹکارے اور جنت کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔ سرمایہ پرستی کے نظام نے اس اونچے تصورات اور اَخلاقیات کو گہنا دیا ہے۔ اہلِ دین کی ذمہ داری ہے کہ اس اہم اور نہایت قابلِ توجہ دینی فریضے کی طرف متوجہ ہوں۔

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت سعید بن عاص اُموی رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عاص اُموی رضی اللہ عنہ کے دادا أبو أُحَيحَہ کے نام سے مشہور تھے اور قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپؓ کے دادا جس رنگ کا عمامہ پہنتے تھے، ان کی عزت و تکریم کی وجہ سے اس رنگ کا عمامہ مکہ میں کوئی اور نہ پہنتا تھا۔ اور ان کا لقب ''ذوالتاج'' تھا۔ حضرت سعیدؓ بن عاص ہجرت والے سال پیدا ہوئے۔ صغارِ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر 9 سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے آپؓ کا حدیث کی روایت کرنا بھی ثابت ہے۔ نیز آپؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی احادیث روایت کرتے ہیں۔ آپؓ سے روایت کرنے والے آپؓ کے دو بیٹے یحییٰ اور عمرو، اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور عروہ بن زبیر ہیں۔

حضرت سعیدؓ کے والد عاص غزوۂ بدر کے دن کفر کی حالت میں مارے گئے۔ ان کو حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار حضرت سعیدؓ سے فرمایا کہ: ''میں نے تمھارے والد کو قتل نہیں کیا، میں نے تو تمھارے ماموں عاص بن ہاشم کو قتل کیا تھا اور میں مشرک کے قتل سے عذر بھی پیش نہیں کرتا''۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا: ''ہاں! اگر آپ نے ان کو قتل کیا تو آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر تھے''۔ حضرت عمرؓ کو آپؓ کے اس قول سے بہت تعجب ہوا کہ انھوں نے احوال کا درست تجزیہ کیا، ضد اور تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔

حضرت سعیدؓ بن عاص کا شمار قریش کے سرداروں اور انتہائی سخی لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپؓ فصاحت اور بلاغت میں بھی اہم ترین اہلِ علم میں شمار ہوتے تھے۔ آپؓ اُس ٹیم کا بھی حصہ تھے، جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قرآن حکیم یعنی ''مصحفِ عثمانی'' کی کتابت کی خدمات سرانجام دیں۔ گویا آپؓ علمی صلاحیتوں کے حامل تھے اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا حصہ رہے ہیں۔ آپؓ عہدِ عثمانی میں کوفہ کے گورنر بھی رہے۔ انتظامی اعتبار سے بھی صلاحیت و استعداد کے مالک اور بڑے کمالات رکھتے تھے۔ اسی لیے انھیں اجتماعی اور حکومتی معاملات کی ذمہ داریوں پر فائز کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا دور شروع ہوا تو آپؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، تاہم بعد میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور میں آپؓ کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا۔

حضرت سعیدؓ بن عاص انتہائی عمدہ اَخلاق کے مالک تھے۔ جب سائل کچھ مانگتا اور پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو بیت المال میں سے دے کر اسے اپنے کھاتے میں بہ طورِ قرض لکھ لیتے اور جب مال میسر آتا تو ادا کر دیتے۔ آپؓ کے معمولات میں سے تھا کہ ہر جمعہ کو ہفتہ وار اپنے بھائیوں کو دعوتِ طعام پر جمع کرتے اور انھیں اچھا لباس دیتے اور دیگر مواقع پر ہدایا بھیجتے رہتے، اور ان کے اہل و عیال کے لیے وافر گندم بھیجتے تھے۔ آپؓ ہر جمعہ کی رات میں کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے غلام کو دینار کی تھیلیاں بھری ہوئی دے کر بھیجتے اور نمازیوں میں دینار اور سونے کے سکے تقسیم کراتے تھے۔ جمعہ کی رات کو نمازی بھی مسجد میں بہت زیادہ آجاتے تھے، مگر ان کا معمول جاری رہتا تھا۔ آپؓ طبرستان اور جرجان کے معرکوں میں سردار بن کر شریک ہوئے اور ۲۹ھ میں انھیں فتح کیا۔ آپؓ نے ۵۸ ہجری میں وفات پائی۔

www.rahimia.org

شذرات

سال بدلا ہے ، نظام بھی بدلو

آج پھر ہمیں گردشِ ایام نے بہت سی توقعات کے ساتھ ایک نئے سال کی دہلیز پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی زندگی کی خواہشات کا لنگر توقعات کے ساتھ بندھا ہوا ہے، لیکن عمل اور نتائج کی زندگی میں حقیقت کی ناقابلِ تردید اہمیت ہے، جسے کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری قومی زندگی کی تلخ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زمامِ اقتدار سنبھالے طبقے اس معاملے میں اتنے غافل ہیں کہ ان کے کانوں تک زمانے کی کوئی بھی آواز پہنچ نہیں پا رہی۔ ابلاغیات کے شعبے کی حیرت انگیز ترقیات کے باوصف کہ جہاں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک آوازیں ہوا کے دوش پر سفر کرتی اربوں انسانوں سے شرفِ سماعت حاصل کرتی ہیں، لیکن سائنس کی دنیا ابھی تک ایسی کسی ایجاد سے قاصر ہے، جس کی بہ دولت پاس بیٹھے انسانوں کے دلوں کے کانوں میں کوئی آواز اُتاری جا سکے۔ انسانی جماعتوں کی یہ غفلت شعاری کوئی نئی بات نہیں۔ انسانی تاریخ ایسی غافل جماعتوں سے بھری پڑی ہے، جن کے دل کے کان ناموسِ الٰہی کے سامنے بھی اپنی ہٹ دھرمی چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اور سنتِ الٰہی نے ان کی بدبختی کے فیصلے صادر کر دیے۔

ہمارے ملک کے وہ طبقے، جن کا جُوا قیامِ ملک ہی سے قوم کے گلے میں پڑا ہوا ہے، وہ غفلت کی ایسی گہری نیند اور مفاد پرستی کے ایسے نشے میں مدہوش ہیں کہ ان کے ہاں چیزوں کے مفہوم ہی تبدیل ہو چکے ہیں۔ انھوں نے ایک مخصوص طبقے کے مفاد کو قومی مفاد، ایک جماعت کے اقتدار کو قومی حکومت اور اپنی خواہشات کی تکمیل کو فطرت کے تقاضوں کا جواب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس ڈگر پر گزشتہ پون صدی سے کان بند کیے محوِ سفر ہیں۔ ملک کی جماعتیں آپس میں دست و گریبان ہیں۔ ادارے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔ آئین و دستور کی شِقیں تک اپنے اپنے مطلب کے مطابق بانٹ لی گئی ہیں۔ ہر جماعت کے حق میں جانے والی شِقوں کی دھجیاں اس جماعت کے ہاتھ میں اور باقی بچا ہوا دستور پاؤں کے نیچے ہے۔ بھلا دستوری دستاویزات ایسی قوموں کی رہنما ہوتی ہیں؟ اور یہی معاملہ مذہبی سیاست کا ہے کہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اپنے عقیدت مندوں کے سامنے قرآن کے صرف اسی حصے کی تلاوت کرتے ہیں، جس سے ان کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ باقی کو سامنے نہیں لاتے:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ إِلٰٓى أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (2-البقرہ:85)

(تو کیا تم اللہ کے بعض احکامات کو مانتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو؟ تو جو تم میں ایسا کرے، اس کا بدلہ دُنیوی زندگی میں ذلت و رُسوائی کے سوا اَور کیا ہے۔ اور قیامت کے دن انھیں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا اور اللہ تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں۔)

کسی قوم پر دنیا میں ذلت اور رُسوائی کا سبب اس کے سوا اَور کچھ نہیں ہوسکتا کہ جب وہ قوم سچائی اور اُصولوں کی پاسداری چھوڑ دے تو اس وقت دنیا میں اس پر جگ ہنسائی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں کوئی اصول نہیں، بلکہ اُصولوں کی پاسداری کو دقیانوسی عمل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی جگہ موقع پرستی اور مفاداتی اُصولوں نے لے رکھی ہے۔ ہماری قومی سیاست سے لے کر عام انفرادی رویوں تک موقع پرستی ہمارے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔ گویا ہماری یہ حالتِ زار اجتماعی حوالے سے ہے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہمارا سسٹم بالکل ننگا ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی ہمارے ہاں نظام کی تبدیلی کے بجائے پُرانے سسٹم کو بچانے کے لیے ہمیشہ کی طرح عارضی رنگ و روغن سے کام لیا جا رہا ہے۔ ہمارے سیاسی نظام میں سیاست دانوں کے نظریات نہیں، مفادات ہوتے ہیں۔ جہاں ایک نام نہاد سنئیر سیاست دان مین سٹریم میڈیا میں بیٹھ کر سیاسی پارٹیوں پر جرنیلوں کے احسانات کی فہرست پیش کرے، اسے آپ مفادات کی سیاست نہیں کہیں گے تو اَور کیا کہیں گے۔

یہ نام نہاد جمہوری نظام اپنے ہی بنائے ہوئے اُصولوں پر نہیں قائم رہتا ہے۔ جمہوریت کا اس سے بڑا سنگین مذاق اَور کیا ہوسکتا ہے کہ نیشنل اسمبلی میں سب سے زیادہ نشستیں رکھنے والی پارٹی اقتدار سے باہر ہے اور بھان متی کا کنبہ اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے۔ ایسے ہی پنجاب میں صرف دس سیٹیں رکھنے والی جماعت کے وزیرِاعلیٰ کی حکومت ہے اور ایک سو اَسّی سیٹوں والی پارٹی ان کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔

چند افراد ہیں جو اسٹیبلشمنٹ کے منظورِ نظر ہیں۔ پورا سسٹم ان کے گرد گھوم رہا ہے۔ نہ یہاں ووٹ کی کوئی اہمیت ہے اور نہ جمہوریت کسی درد کی دوا ہے۔ بس لابنگ کی سیاست ہے، جو جتنی ہوشیاری سے لابنگ کر سکے، وہی کامیاب سیاست دان ٹھہرا۔ اس میں نہ کسی اُصول کی پاسداری ہے اور نہ ضابطے کی پابندی ہے۔ سب ضابطے اور اُصول مفاداتی سیاست، لوٹ مار کی معیشت، ناانصافی کی عدالت اور بددیانتی کی حد تک مالی خیانت کے گرد گھوم رہے ہیں۔

ایسے حالات میں ملک میں موجود سیاسی سرگرمیاں سوائے چند نام کے سیاسی خاندانوں کی خوشنودی کے اَور کچھ نہیں ہیں۔ یہ سیاسی ہلچل نہ تو نظام کی تبدیلی کی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہے اور نہ ہی عوامی حقوق کی بحالی سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں موجودہ سیاست کو وقت دینے سے بہتر ہے کہ نوجوانوں کی تربیت پر وقت خرچ کیا جائے اور انھیں نظام کی تبدیلی کے بغیر پاکستان کے مستقبل کا یہ نقشہ دکھانا چاہیے کہ اگر نوجوانوں نے نظام کی تبدیلی کی راہ اختیار نہ کی تو یہاں کیا حالات ہو سکتے ہیں۔ معاشرہ بگاڑ کی کس حد تک پہنچ سکتا ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکرواذکار 8

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

(9۔ اللہ کے نام سے برکت حاصل کرنا)

''مسنون اذکار میں سے (نوواں ذکر) اللہ تعالیٰ کے ناموں سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ہر چیز کی تخلیق میں حق تبارک وتعالیٰ کی ایک تجلی کارفرما ہے۔ اُن تجلیات میں سے ایک تجلی (الفاظ کی ساخت کی دنیا میں) حروف کی پیدائش اور اُن کی شناخت کے حوالے سے جاری وساری ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایسے اسمائے الٰہیہ پر مشتمل ہے، جو انبیا علیہم السلام کی زبان سے دنیا میں نازل ہوئے اور ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے اُن کی گردان کرتے ہیں۔ جب ایک بندہ اُن اسمائے الٰہیہ میں سے کسی ایک اسمِ الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اُس کے بہت قریب ہوجاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو انھیں پڑھے گا، جنت میں داخل ہوجائے گا''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، حدیث: 2287)

میں کہتا ہوں کہ: اس فضیلت کے اسباب میں سے یہ ہے کہ: (1) یہ ننانوے نام ایسا مکمل نصاب ہے، جس سے حق تبارک وتعالیٰ کے لیے ثابت شدہ صفات اور منفی چیزوں سے اُس کی پاکیزگی کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ (2) اور یہ کہ اللہ کے ان ننانوے ناموں کو حظیرۃ القدس میں بڑی برکت اور بڑا رُسوخ حاصل ہے۔ (3) اور یہ کہ ان اَسمائے الٰہیہ کی صورت جب کسی انسان کے نامۂ اَعمال میں قرار پکڑ لیتی ہے تو ضرور وہ اُسے اللہ کی عظیم رحمت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

(اسمِ اعظم کی حقیقت؛ جامعیتِ تجلیات)

یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ کے اسما میں سے وہ اسمِ اعظم کہ جس کے ذریعے سے اللہ سے سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور جس کے ذریعے سے اللہ کو پکارا جائے تو وہ قبول کرتا ہے، وہ اسمِ جامع ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام تجلیات کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے۔ ایسے اسم کو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے اکثر پڑھتے ہیں اور ہر زمانے میں ملاءِ اعلیٰ کی ترجمانی کرنے والے (انبیا علیہم السلام) کی زبانوں سے بیان کیا جاتا رہا ہے۔

ہم یہ بات پہلے (ابواب الصلوٰۃ کے صلوٰۃ الوضو کے بیان میں) ذکر کرچکے ہیں کہ جب ہم یہ جملہ بولتے ہیں کہ ''زید شاعر اور کاتب ہے''، تو زید کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ شاعر ہے اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کاتب ہے۔ اسی طرح حق تبارک وتعالیٰ کی بھی عالم مثال کے موطن میں کئی تجلیات مختلف صورتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اور یہ بات (احادیثِ نبویہ میں بیان کردہ) درجِ ذیل ان اذکارِ الٰہیہ پر صادق آتی ہے:

(الف) ''أنتَ اللّٰہُ، لا إلٰہَ إلّا أنتَ الأحدُ الصَّمَدُ، الّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ، وَ لَمْ یَکُن لَّہٗ کُفُوًا أحَد'' (تُو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی خدا نہیں، یکتا ہے، بے نیاز ہے، وہ ذات جو کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا ہے، اور اُس کا کوئی ہم مثل بھی نہیں ہے)۔ (مشکوٰۃ، حدیث: 2289)

(ب) ''لَکَ الْحَمْدُ، لا إلٰہَ إلّا أنتَ الحَنَّانُ المَنَّانُ، بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ و الأرض، یَا ذَا الْجَلالِ و الإکْرَام، یَا حَیُّ یَا قَیُّوم'' (تیرے لیے ہی حمد و ثنا ہے، نہیں ہے کوئی خدا مگر تُو ہی، بہت مہربان اور احسان کرنے والا، آسمانوں اور زمینوں کو شروع سے بنانے والا ہے۔ اے بڑے بزرگی والے اور عزت والے! اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور ہمیشہ قائم رہنے والے!)۔ (مشکوٰۃ: 2290)

اسی طرح کے بہت سے اسمائے الٰہیہ پر اللہ کی بہت سی مختلف تجلیات صادق آتی ہیں (مترجم عرض کرتا ہے کہ: ان کا تذکرہ احادیث میں ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسمِ اعظم ان دو آیات میں بیان کیا گیا ہے:

(الف) اِلٰـهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ (2۔ البقرہ: 163) (تمھارا خدا ایک خدا ہے، اُس کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ وہ انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے)۔

(ب) اور سورتِ آلِ عمران کی ابتدائی آیت: الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَـىُّ الۡقَيُّوۡمُ (اللہ کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے) (مشکوٰۃ: 2291)

(10۔ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا)

اذکار میں سے دسواں ذکر نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا ہے۔

(1) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود وسلام بھیجا، اللہ تعالیٰ اُس پر دس دفعہ رحمت نازل کرتا ہے''۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 921)

(2) آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ لوگ ہوں گے، جو مجھ پر کثرت سے درود وسلام بھیجیں گے''۔ (مشکوٰۃ: 923)

میں کہتا ہوں کہ: اس کا راز یہ ہے کہ بے شک انسانی نفسوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے جاری (رحمت کی) ہواؤں کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی طرف توجہ کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ انسان تجلیاتِ الٰہیہ کے انوار اور اللہ کی زمین میں موجود شعائرِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہو، اُن کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اُن میں گہرا غور و فکر کرے اور اُن کے سامنے جا کر کھڑا ہو۔ خاص طور پر اللہ کے مقربین بارگاہِ الٰہیہ کی روحوں کے سامنے جو دراصل ملاءِ اعلیٰ کے افضل لوگوں میں سے ہیں اور زمین پر اللہ کی سخاوت نازل ہونے کے واسطوں میں سے ایک واسطہ ہیں۔ (یہ سب) اُس طریقۂ کار کے مطابق جس کا ذکر پیچھے (تعظیم شعائر اللہ کے باب میں) بیان کیا جاچکا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ذکر عظمت کے ساتھ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے خیر طلب کرنا اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا بڑا بہترین طریقہ ہے۔ نیز اس طرح اُن کے لیے اللہ سے خیر طلب کرنے سے تحریف کے دروازے کو بھی بند کردیا گیا ہے، کہ آپ ﷺ کا ذکر اللہ سے طلبِ رحمت کے لیے ہو (یعنی آپؐ کی اُلوہیت کے طور پر ذکر نہ ہو، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاؑ کے حوالے سے کیا تھا)۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

علامہ ابنِ خلدونؒ کے اقتصادی نظریات 3

علامہ ابنِ خلدونؒ نے اپنے ''مقدمہ ابنِ خلدون'' میں اقتصادیات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اقتصادی و معاشی حوالے سے ابنِ خلدونؒ کے نظریات انتہائی متأثر کن ہیں، جس سے ان کے مشاہدے کی وسعت اور اپنے عہد کے علمی وِرثے سے استفادے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ارسطو کی طرح ابنِ خلدونؒ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے، وہ سب انسانوں کے لیے ہے، تاکہ تمام بنی نوعِ انسان اس سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنی ضروریات پوری کرسکیں، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ارسطو نے منطقی انداز سے استدلال کیا ہے جب کہ ابنِ خلدونؒ کے استدلال کی بنیاد قرآن کریم ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تم سب کے لیے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے''۔ (2-البقرہ: 29) ظاہر ہے قرآن کے بیان کردہ حقائق بھی عقل و منطق کے مطابق ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عقلِ درماندہ کی رسائی وہاں تک نہ ہوسکے۔

ابنِ خلدونؒ کے ہاں محنت ہی انسانی اُجرتوں کا معیار ہے، محنتیں بہ منزلۂ مبیعات و متقوِّمات (قدر و قیمت رکھنے والی چیزوں) کے ہیں۔ اگر محنت کی پوری قیمت ادا نہ کی جائے تو ظلم و استحصال ہوگا۔ معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے، جس کی ساری دولت ان کی محنتیں؛ کام اور عملی صلاحیتیں ہی ہیں۔ اس لیے اگر ان سے ان کی محنت کی قیمت چھین لی جائے تو اس سے عمرانی تگ و دو کو سخت نقصان پہنچے گا اور ملک کی معاشی حالت تباہی کے کنارے آ لگے گی۔ ابنِ خلدونؒ سونے اور چاندی کو دولت نہیں سمجھتے، بلکہ تبادلۂ دولت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دولت کا واحد ذریعہ پیداوار ہے، اور پیدائشِ دولت کا اہم ذریعہ انسانی محنت ہے۔ پیداواری عمل میں جس کی جتنی محنت شامل ہوگی، اتنی ہی اس کی اُجرت ہوگی۔ ان کے نزدیک محنت و عمل کے بغیر قدرتی ذرائع سے بھی فائدہ اُٹھانا ممکن نہیں۔ نہریں، چشمے اور قدرتی سوتے تک خشک ہوجاتے ہیں۔ اگر جانور کے تھنوں میں دودھ ہو اور کوئی دوہنے والا نہ ہو تو یہ تھن سوکھ جائیں گے۔

محنت و عمل کے حوالے سے ابنِ خلدونؒ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ اس طرح کا ضابطہ بنایا جائے کہ محنت کش طبقے سے اسی قدر محنت لی جائے، جس سے ان میں نشاطِ کار باقی رہے، یعنی خوش اسلوبی کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیتیں قائم رہیں۔ اگر ان سے جانوروں کی طرح کام لیا جائے گا تو صنعتی اور پیداواری ارتقا رُک جائے گا۔ ملک کی قوتِ کار کو نقصان پہنچے گا اور عمرانی تقاضے مجروح ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کارل مارکس نے جو اقتصادی نظریات پیش کیے ہیں، ابنِ خلدونؒ نے تقریباً پانچ سو سال پہلے اور حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس سے دو سو سال پہلے پیش کر دیے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون، باب: فی حقیقة الرزق والکسب و شرحهما ان الکسب هو قیمة الاعمال البشریة، ج:1،ص:604)

تبدیلیٔ نظام؛ وقت کی سب سے بڑی ضرورت

آج کل ہماری معیشت جن تجربات سے گزر رہی ہے، اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے فیصلہ سازوں نے اپنے ہی سابقہ ادوار سے کچھ نہیں سیکھا۔ ڈالر کی قیمت کو مصنوعی انداز میں روکے رکھنا اور تجارتی خسارے میں مصنوعی انتخاب کی بنیاد پر کمی' دراصل معیشت کو ایک نئے تباہ کن بحران کی جانب دھکیل رہا ہے۔ درآمدات کو 60 ارب ڈالر کے لگ بھگ رکھنے کی جستجو ہے، جس کی وجہ سے ہر قسم کی درآمدات میں ڈالر کی ادائیگی کی اجازت نہیں دی جاتی اور ہوتا یوں ہے کہ طاقت ور ادارے، حکمران اور ان سے متعلق تاجر وغیرہ دراصل نسبتاً سستے ڈالر کی ادائیگی کرکے درآمدات کر رہے ہیں اور ہمیشہ کی طرح قوم ان کی اس کاوش میں اپنا حصہ ڈال رہی ہے۔

ہمارے تجربے میں یہ پہلے بھی آچکا ہے کہ پرویز مشرف کے دور میں ڈالر کو مصنوعی طور پر 60 روپے کے لگ بھگ رکھا گیا۔ اس ارادے کے پیچھے کچھ دِکھاوا تھا اور کچھ مقامی تاجروں کے لیے سہولت کی سوچ، جسے مضبوط تجارتی سرگرمیوں، بیرونی قرضوں اور سب سے اہم مسلسل امریکی امداد نے سہارا دیا۔ لیکن 2008ء میں ہماری ملکی معیشت کی سب سے بڑی بیماری یعنی جاری کھاتوں کا خسارا (Current Account Deficit) کُل قومی پیداوار کے 8.2 فی صد کی ریکارڈ حد تک بڑھ چکا تھا۔ زرداری دور میں روپے کو خوب گرایا گیا اور تجارتی خسارے میں کمی اور بے پناہ قرضوں کی مدد سے اس بیماری کو قدرے کنٹرول کرلیا گیا۔ 2012ء میں یہی خسارا کم ہوکر کُل قومی پیداوار کے 2.1 فی صد تک آن پہنچا۔

نواز شریف دور میں اس خسارے کو قابو کرنے کے لیے بے پناہ قرضے لیے گئے اور تجارت پر توجہ دیے بغیر مصنوعی طور پر ڈالر کو 100 روپے کے آس پاس رکھا گیا۔ نتیجتاً 2018ء میں یہ خسارا بڑھ کر کُل قومی پیداوار کا 6.1 فی صد تک جا پہنچا۔ یوں عمران خان دور کے آغاز میں تاریخ کا بلند ترین خسارا ہماری عالمی تجارت پر سوار تھا۔ پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا تھا۔ درآمدات کو امپورٹ ڈیوٹیاں بڑھا کر کم کیا گیا۔ کچھ سنجیدہ کوششیں برآمدات کو بڑھانے کے حوالے سے کی گئیں۔ تاریخ کا ریکارڈ قرض لیا گیا اور روپے کو خوب گرایا گیا۔ حالات بہتر ہوئے، لیکن 2022ء کے اختتام تک یہی خسارا بڑھ کر کُل قومی پیداوار کا 4.6 فی صد ہوگیا۔ ایسے میں شہباز دور کا آغاز ہوتا ہے اور اس خسارے کو کم کرنے کے لیے روپے کو خوب گرایا گیا اور درآمدات کو روکا جارہا ہے۔ تاریخی قرض لیے جاچکے ہیں اور عظیم گراوٹ کے بعد روپے کو مصنوعی طور پر روکا جارہا ہے۔ قوم پر بے پناہ مہنگائی اور ٹیکسز کا بار منتقل کیا جاچکا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ بیس سالوں سے معیشت ایک ہی ذہن سے چلائی جارہی ہے۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ایشیا بحرالکاہل اور عربوں کا اتحاد

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ قدرت کا انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اسے بین الاقوامی حکومت کا تصور اور نظریۂ حیات عطا کیا اور نبی اکرم ﷺ کو اس کام کے لیے مبعوث فرمایا۔ یعنی سماجی ارتقا کے تیسرے مرحلے؛ قومی حکومتوں کے قیام کے بعد بین الاقوامی حکومت کا عملی تصور دیا۔ یہ مرحلہ اتنا اہم، اٹل اور ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر انسانی سماج نہ صرف اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا، بلکہ اقوام کے قومی تشخصات بھی معدوم و مجروح ہوجاتے ہیں۔ سماجی تبدیلی کی سائنس کے مطابق اس کے عملی اظہار سے پہلے باطنی طور پر ایک نظریاتی ڈھانچہ تشکیل دیا جانا ازبس ضروری اور لازمی ہے، جو اس کے خدوخال اور بنیادی اُمور کو عملی شکل دینے کے حوالے سے تعلیمی، اَخلاقی، تجرباتی اور مشاہداتی پہلوؤں کو اُجاگر کرتا ہے۔ دنیا میں طاغوتی طاقتوں کی عالمی بالادستی قائم ہوجانے سے چھوٹی اور کمزور اقوام عدم تحفظ کا شکار ہوجاتی ہیں، جس کے سدباب کے لیے عدل کے تقاضوں پر مبنی ایک متبادل عالمی حکومت کا قیام وقت کی اوّلین ضرورت اور انسانیت کا اٹل اور ناقابلِ التوا تقاضا بن جاتا ہے۔

اس تناظر میں عالمی منظرنامے کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ حالیہ دنوں میں چینی صدر تین روزہ دورے پر 7، 8 اور 9/ دسمبر 2022 بروز جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو سعودی عرب پہنچے تو ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ سات طیاروں نے فضا میں خوش آمدید کہا اور 21 توپوں نے ریاض کی سرزمین پر سلامی دی۔ ایس پی اے (سرکاری خبر رساں ادارہ) سعودی پریس اتھارٹی (Saudi Press Authority)، 9/ دسمبر 2022ء۔

دورے کے اختتام پر ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جاتا ہے؛ جو عموماً دورے کے دوران کیے گے معاہدات یا معاہدات تک پہنچنے کے ابتدائی مراحل پر مشتمل ہوتا ہے۔ اعلامیے میں چین نے تیل کی مستحکم اور متوازن عالمی منڈی کے لیے مملکت کے کردار اور حمایت کا خیر مقدم کیا ہے۔ چین کو خام تیل کی بڑی اور قابلِ بھروسہ برآمد کنندہ مملکت کے طور پر سعودی عرب کو سراہا گیا تھا۔ سعودی عرب اور چین کے درمیان مستقبل میں تعلقات کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ دونوں ملکوں نے اتفاق کیا ہے کہ جوہری توانائی کے پُرامن استعمال کے لیے باہمی تعاون میں اضافہ کیا جائے گا۔ (العربیہ اردو، 9/ دسمبر 2022ء)

مشترکہ بیان میں روس یوکرین تنازع اور ایران کے جوہری پروگرام کے بارے میں پُرامن حل کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ ایران پڑوسی ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے گریز کرے۔ یمن اور شام کے سلسلے میں پُرامن حل کی کوششوں کی تائید کی گئی۔ لبنان کے بحران کے حل کے لیے کوششوں کو سراہا گیا۔ چین نے روس، یوکرین، یمن اور شام کے سلسلے میں سعودی عرب کے کردار کی تعریف کی۔ دونوں ملکوں نے علاقائی کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر باہمی تعاون کو بڑھانے پر اتفاق کیا۔ اس حوالے سے فریقین نے 12 معاہدات اور مفاہمتی یادداشتوں پر دستخط کیے۔ ایس پی اے کے مطابق سرکاری اور نجی شعبے میں 9 معاہدوں اور مفاہمتی یادداشتوں پر دستخط کیے گئے، جب کہ دونوں ملکوں کی نجی کمپنیوں نے 25 معاہدات پر دستخط کیے۔ مزید یہ کہ خلیجی ممالک اور چین یعنی چھ جمع ایک (6+1) معیشت اور تجارت کے اُمور کے وزیروں کا ایک فورم بھی تشکیل دیا گیا۔

امریکی اخبار وال اسٹریٹ جرنل نے اس دورے کو مشرقِ وسطیٰ کے لیے "Pivotal Visit" قرار دیا ہے (یعنی ایک ایسا دورہ جسے آئندہ کے اقدامات کے حوالے سے مرکزی اہمیت حاصل ہوگی)۔ جہاں دنیا کے سب سے بڑے تیل کے درآمد کنندہ کی سب سے بڑے برآمد کنندہ سے ملاقات ہوئی۔ (8/ دسمبر 2022ء) امریکی چینل سی این این نے اسے چین عرب تعلقات کے ''نئے عہد'' سے تعبیر کیا ہے۔ مزید تبصرہ کرتے ہوئے اسے (Epoch-making milestone) یعنی ''عہد سازی میں سنگِ میل'' کہا گیا ہے۔

دی اکنامک ٹامز (The Economic Times) نے کہا کہ اس دورے میں سعودی عرب کے ساتھ تقریباً 30 بلین ڈالر کے معاہدے ہوئے۔ اخبار لکھتا ہے کہ شاہ سلمان نے چینی صدر کو خصوصی دعوت پر بلایا ہے، تاکہ ''عرب دنیا کے چین کے ساتھ تاریخی تعلقات کو مضبوط بنیاد فراہم کرکے علاقائی سطح پر نمایاں کیا جاسکے''۔

چینی صدر کا حالیہ دورۂ سعودی عرب' عالمی سطح پر ایک متبادل بین الاقوامی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت ہے۔ 1996ء میں قائم ہونے والی شنگھائی فائیو (Shanghai Five)، 2001ء میں شنگھائی تعاون تنظیم، 2006ء میں وجود میں آنے والی برک (BRIC)، 2010ء میں تشکیل پانے والی برکس (BRICS) ایک کثیرالجہتی فورم ہے، جو دنیا کی 5 اُبھرتی ہوئی معیشتوں پر مشتمل ہے۔ دنیا کی 41 فی صد آبادی 25 فی صد پیداوار کے ساتھ عالمی تجارت کا 16 فی صد حصہ بن کر 8.55 ٹریلین ڈالر کا کاروبار کررہی ہے۔ (NEWS اردو، 23/ جون 2022ء)

اقوام متحدہ کا بنیادی نعرہ کرۂ ارض پر امن، عزت اور مساوات کو فروغ دینا تھا، لیکن اس کے تحت قائم ہونے والے مالیاتی اداروں نے اس کے برعکس اقدام اٹھائے۔ اس کے قرضوں نے کمزور اور پس ماندہ ممالک کے معاشی ڈھانچوں کو مسمار کردیا۔ ان ملکوں کو ایسے قرضے فراہم کیے، جن کی واپسی نے غریب عوام کی بنیادی ضروریات پانی، بجلی، گیس، تیل اور اشیائے خورد و نوش اتنی مہنگی کردیں جو عام آدمی کی پہنچ سے کوسوں دور ہوگئیں۔ بھاری بھرکم ٹیکس عائد کرکے قرضوں کی واپسی کو یقینی بنانے کی کوششیں کی گئیں۔ قومی قرضوں کی واپسی نے عام آدمی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، جب کہ وہاں کے حکمران مالیاتی اداروں کے آلۂ کار بن کر آج بھی انعام واکرام وصول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس برکس (BRICS) کے تحت وجود پانے والے ادارے غریب ممالک کو ایسے قرضے فراہم کرتے ہیں، جن سے وہ اپنی معاشی جکڑ بندیوں سے نجات پاتے ہیں۔ چینی صدر کا حالیہ دورہ خطے کے ممالک کو ساتھ ملا کر ایک ایسی دنیا تشکیل دینے کے سلسلے میں کی جانے والی کاوشوں کی ایک کڑی ہے۔

www.rahimia.org

خطباتِ و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اسلام اور انسانی حقوق کی ادائیگی کا تصور

16/ دسمبر 2022ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! دینِ اسلام کی معاشی تعلیمات کا بنیادی محور یہ ہے کہ انسانی حقوق کی ادائیگی میں انسانیت کی ذمہ داریاں عمدہ طریقے سے پوری ہو جائیں۔ دینِ اسلام کے کامل نظام میں معاشی نظام کی بنیادی اہمیت ہے۔ معاشی نظام کی اَساس انسانی احتیاجات کی تسکین اور انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے متعلق ہے۔ ان احتیاجات کے پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ سوسائٹی میں ایسی احتیاجات کا شکار ہیں اور اُن کے لیے وسائل موجود نہیں ہیں، تو دین کا معاشی نظام مسلمان جماعت پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اُن کے حقوق ادا کرے، اُن کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔ قرآن حکیم میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کہ تم جو قرابت دار ہیں، تمھارے گردو پیش جتنے انسان ہیں، خونی رشتے دار ہوں، جماعتی تعلق والے ہوں، کسی فورم پر کام کرنے والے قرابت دار ہوں، پڑوسی ہوں، آپ کے ساتھ بیٹھ کر سفر کرنے والے ہوں، انھیں ان کا معاشی حق دو۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر تم یہ تمام حقوق ادا کرو گے تو ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (30-الروم: 38) یہ بہت خیر اور بھلائی کی بات ہے، لیکن یہ خیر صرف اُن لوگوں کے لیے، جو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، انسان ہیں، ان کی احتیاجات ہیں، ان احتیاجات کو پورا کرنے کے لیے میں اللہ کی رضا کے لیے میں یہ خرچ کرتا ہوں۔ کوئی ذاتی لالچ اور مفاد پرستی کے لیے حقوق ادا کرنا نہیں ہے۔

نیز اللہ پاک نے فرمایا کہ: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جو اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتے ہیں، لوگوں کی مالی ضروریات کی کفالت اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اللہ کے دیے ہوئے مال کو استعمال میں لاتے ہیں، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ انھیں کو اس زندگی میں بقا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ فلاح کا معنی البقاء ہے، اس کرۂ ارض پر انسانیت میں سے اُن انسانوں کی بقا ہے، اُن کے وسائل باقی رہیں گے، وہ انسان کامیاب ہیں، جو مالی حوالے سے حقوقِ انسانیت ادا کرتے ہیں اور حقوقِ انسانیت کی ادائیگی میں اُن سے کسی قسم کے نفع کے طالب نہیں، بلکہ خالص اللہ کے لیے، اور اس کی رضا اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کی نیت سے یہ کام کرتے ہیں۔ اُن کے لیے فلاح اور بقا ہے۔ انبیا کا طریقہ، اُن کے حواریین کا طریقہ، اُن کے اصحاب کا طریقہ، سچے اولیاء اللہ کا طریقہ یہی ہے۔ ولی ہوتا ہی وہ ہے، جو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے۔ گویا ولایت، نبوت اور حواریت دراصل تبھی ہے کہ جب وہ انسانی بھلائی کے لیے وسائلِ معاش کو خرچ کرتا ہے۔ جو بھی رزق اُن کے پاس آتا ہے، وہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کر دیتے ہیں۔ حقوقِ انسانیت ادا کر دیتے ہیں۔ ان کا نام ہمیشہ باقی رہتا ہے''۔

سود

اِنسانی حقوق کو غصب کرنے کا ذریعہ ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ہر وہ عمل، جو انسانیت کے معاشی حقوق پر ڈاکہ ڈالے، اُس کی نوعیت کسی بھی صورت میں ہو، اسلام کے معاشی نظام میں وہ قابلِ برداشت نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے لیے واضح قانون سازی کی ہے۔ دنیا بھر میں مالی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا، دوسرے انسانوں کی کمائی کو لوٹنے کا سب سے بدترین طریقہ ہمیشہ سے سودی نظام رہا ہے۔ اس سودی نظام کے خلاف تمام الٰہی کتب، تمام حکما، تمام اَخلاقِ فاضلہ کے ماہرین اور دنیا بھر کے انسانی عقل رکھنے والے عقلا اس کی ممانعت کرتے رہے ہیں۔ اس کے خلاف مزاحمتی سوچ پیدا کرتے رہے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی رِبا اور سود کی حرمت پر سورت البقرہ اور سورت آلِ عمران اور دیگر سورتوں میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

قرآن حکیم کا انداز و اُسلوب یہ رہا ہے کہ جو چیز کسی انسانی سماج میں بہت گہرائی کے ساتھ سرایت کر چکی ہے اور غلط ہے، تو اُس کی ممانعت ایک تدریج اور حکمت کے ساتھ کی گئی۔ جیسے مکہ اور مدینہ کے لوگ شراب بہت زیادہ پیتے تھے، تو اُس کے لیے تین چار مراحل سے گزر کر شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ جب اُس کی خرابی انسانیت کے سامنے بالکل الم نشرح ہوگئی، تو پھر اُس کا باقاعدہ قانون جاری کر دیا کہ آج کے بعد بند۔ ایسے ہی سود خوری کی ممانعت کی، جو کہ معاشرے میں سرایت کی ہوئی تھی۔ قرآن حکیم نے مکی سورتوں میں مالی ظلم و ستم سے نفرت کی سوچ پیدا کی۔

چناں چہ فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ، کہ جو تم کسی کو مال دیتے ہو، اضافے کے لیے، یہ درست نہیں۔ عربوں کا دستور تھا کہ عام طور پر شادی بیاہ و دیگر مواقع پر ایک دوسرے کو ہدیے کے طور پر پیسے دیتے تھے، لیکن اُن کی نیت یہ ہوتی تھی کہ مجھے یہ رقم اضافے کے ساتھ واپس ملے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے ہاں اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ تو گویا کہ اپنے ہدیے، اپنی کسی خدمت، اپنا کسی انسان پر حق جتا کر حق ادا کر کے اُس سے ایسا معاوضہ لینا، جو مادی ہو، یا کسی مرتبے اور عہدے کا حصول ہو، یا اُس کے نتیجے میں اپنا کوئی پھنسا ہوا کام نکالنا مقصود ہو، تو اُس کو بھی اللہ نے یہاں رِبا اور سود کہا ہے۔

اللہ پاک نے اسی آیت میں ''رِبا'' کے مقابلے میں لفظ ''زکوٰۃ'' کا ذکر کیا ہے: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (30-الروم: 39) کہ جو مال تم بطور زکوٰۃ کے دیتے ہو اور تمھارا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا ہے تو وہ ایسے لوگ ہیں، جن کے مال میں ڈبل اضافہ ہو گیا ہے۔ یعنی کسی غریب، مسکین، مسافر یا کسی رشتہ دار پر مال خرچ کیا اور اُس سے مقصد کوئی منفعت اُٹھانا یا احسان جتلانا نہیں ہے، تو ایسے لوگوں کا مال ڈبل ہو گیا، بلکہ دس گنا تک اضافہ ہونے کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ اُن کا فائدہ دنیا میں بھی ہے کہ دنیا میں ایک انسان کی ضرورت پوری ہوگئی اور آخرت میں تو اُس کا اجر کئی گنا بڑھا کر اُن لوگوں کو دیا جائے گا''۔

www.rahimia.org

زکوٰۃ کے حقیقی مقاصد کا اِدراک

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مقاصد دو ہیں: تہذیبِ نفس؛ انسانی نفس کو مہذب بنانا، اور سیاستِ اُمت۔ انسانی نفس کو مالی حوالے سے مہذب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی نفوس میں جو شُحّ اور بخل بھر چکا ہے، اُس کا خاتمہ ہو۔ نفس کے تین شعبے ہیں: قلب، عقل اور نفسِ طبعی۔ نفس کو مہذب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کے یہ تینوں شعبے اللہ کی رضا اور مَلَکیت کے تقاضوں سے کردار ادا کریں، نہ کہ بہیمی اور شیطانی تقاضوں سے۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ انسان کو یہ پہچان ہونی چاہیے کہ قلب میں خیال اور وسوسہ شیطان کی طرف سے آیا ہے، یا فرشتے کی طرف سے آیا ہے۔ جو آدمی اپنے خیالات کا تجزیہ نہیں کرسکتا، وہ صحیح طور پر زکوٰۃ نہیں ادا کرسکتا۔ اُس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا۔

یہی حال عقل کا ہے کہ عقل پر اگر طبیعت اور بہیمیت غالب ہے تو وہ عقلِ بہیمی ہے۔ جانوروں کی طرح سوچتی ہے۔ اُس کی سوچ محدود ہے، جو ظاہری اور فوری نفع دیکھتی ہے۔ یہ عقلِ شیطانی ہے۔ لیکن یہی عقل اگر انسانی حقوق کی پہچان پیدا کر کے انسانیت کے سسٹم کو قائم کرنے کے لیے ایک بہتر نظام بنانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی ہے تو یہ عقلِ انسانی ہے۔ یہی حال نفسِ طبعی کا ہے کہ وہ اگر صرف طبعی تقاضوں کے مطابق کردار ادا کرتا ہے، ارادے بناتا اور کام کرتا ہے، تو نفسِ بہیمی اور شیطانی ہے۔ اور اگر اجتماعی تقاضوں کی بنیاد پر کام سرانجام دے رہا ہے تو وہ نفسِ انسانی ہے۔

گزشتہ تین سو سال کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج مالی معاملات کو چلانے والے دل بہیمیت زدہ اور شیطان زدہ ہیں۔ ان میں شیطان نے وسوسہ اور خیالات ڈالے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا دل بھیڑیوں کی طرح ہے۔ ان کی عقل شاطر دماغ ہے۔ ان کا نفس شیطانی اثرات کا حامل ہے۔ امّارۃٌ بالسُّوء (بُرائی کا حکم دینے والا) ہے۔ ان تینوں کے شیطانی اثرات کا مجموعہ سرمایہ داری نظام اور عالمی استحصالی سودی نظام ہے۔ اور اس سے جو چیز وجود میں آئے گی، وہ ’’رِبا‘‘ اور ’’سود‘‘ ہے۔

زکوٰۃ کا دوسرا بڑا بنیادی مقصد سیاست الامت ہے کہ اس مال کے ذریعے سے ملکی نظم و نسق چلانا، ملکی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ وہ ملکی نظم و نسق ایک محلے کا ہو یا ایک بستی کا، ایک چھوٹی سوسائٹی، صوبے یا علاقے کا اور ایک ملک اور ایک بین الاقوامی سطح تک کا ہو، اس نظام کے انتظامی ڈھانچے کو چلانے اور نظم و نسق کے لیے اجتماعی مالی وسائل فراہم کرنا ہے۔ اُن تمام کاموں کے لیے ان وسائل کا خرچ کرنا، جن کا تعلق پبلک سے ہے۔ پُل بنانا، سڑکیں بنانا، انسانیت کی ضروریات کے لیے، اس پورے عمل کو چلانے والے جو انتظامیہ کے لوگ ہیں، اُن کے لیے خرچ اخراجات کرنا۔ ارتفاقِ ثالث اور ارتفاقِ رابع کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مالی وسائل کا استعمال کرنا۔ اجتماعی فنڈ قائم کرنا ہے۔ اور اس کا بھی مقصد صرف اللہ کی رضا ہو‘‘۔

قرض کی اصل حقیقت؛ عقدِ تبرُّع ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ: رِبا کی دو قسمیں ہیں: رِبا الحرام و رِبا الحلال۔ ایک رِبا وہ ہے، جو حرام ہے، جس کا سورتِ بقرہ اور آلِ عمران میں ذکر کردہ آیاتِ رِبا میں ہے اور ایک رِبا حلال ہے، جس کا تذکرہ سورت الروم کی مذکورہ آیت (39) میں کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کا اضافہ نہیں ہوگا، بس انسانوں کے ہاں اضافہ ہوگا۔ بعض لوگ اس کو بنیاد بنا کر سود کو حلال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ قرض عقدِ تبرع ہے، عقدِ بیع نہیں، نہ عقدِ اجارہ ہے۔ عقدِ تبرع سے مراد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ جب آپ کو ضرورت پیش آتی ہے تو وہ آپ کا آپ سے بڑھ کر تعاون کر دیتا ہے۔ یہ سود نہیں ہے۔ جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ کوئی اگر آپؐ کو ہدیہ دیتا تھا تو آپؐ اپنی طرف سے اُس کو کچھ اضافہ کر کے دے دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ بعض لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا یہ سود تو نہیں ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ بھئی! یہ تو مِن مَرافِقِ الحیاۃ ہے، یعنی یہ تو زندگی بسر کرنے کی، ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت اور سہولت کی بات ہے۔ اس کو سود کے پیمانے پر مت لے کر جاؤ۔ اس کا تعلق تو بغیر کسی شرطِ معاوضہ کے ہے۔ اب اس کو بنیاد بنا کر قرض کو معاملہ بیع سمجھ لیا جائے اور اُس پر کہا جائے جی یہ رِبا الحلال ہو گیا، یہ غلط ہے۔ کیوں کہ مقروض کی غربت پر تو سب کا اتفاق ہے۔ کسی کے ہاں بھی یہ درست نہیں ہے۔ یہ قرآن حکیم کا بنیادی مزاج ہے کہ رِبا (سود) اور زکوٰۃ کے درمیان بنیادی فرق واضح کر دیا ہے۔

عالمی سرمایہ داری نظام اس وقت سود خوری کا ہے، جو دینِ اسلام کے بنیادی معاشی نظام سے متصادم ہے۔ اب ایسے سودی نظام کو اسلامی نظام بنانے کی کوشش کرنا، حیلے بہانے تلاش کرنا، اُس کا نیا رُخ بنانا اور پھر اُس کو کہنا کہ یہ انسدادِ سود ہے، یا حرمتِ سود کا عمل ہے، ایں خیال است و محال است و جنوں۔ یہ فضول اور لغو بات ہے۔ قرآن حکیم کے مزاج کو، اُس کے قانون کو، اس کے سسٹم کو انسانی بنیادوں پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور جو انسانیت دشمن کردار ادا کرنے والی کوئی عقل ہے، کوئی نفس ہے، کوئی قلب ہے، کوئی ارادے ہیں، کوئی عزائم ہیں، جو کوئی فیصلے ہیں، جو سوچیں ہیں، جو خواہشات ہیں، جو تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، وہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں۔ ان طبعی خواہشات کو، اُن قلبِ بہیمی کے تقاضوں اور عقلِ شیطانی کے اُمور کو اسلام کا لبادہ اوڑھانا، یہ اسلام کے ساتھ سنگین مذاق ہے۔ اسلام سب سے پہلے تہذیبِ نفس کرتا ہے، انھیں بڑھی ہوئی حیوانی خواہشات کی جڑ کاٹتا ہے۔ اگر وہی چیزیں آگے پھیلتی جائیں، تو اسلام کیسا؟ اسلام تو انسانوں کو انسان بناتا ہے۔ اور جو انسانیت سے دشمنی کا کردار ادا کرتے ہیں، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں‘‘۔

حضرت مولانا شاہ اللہ بخش بہاولنگریؒ

حضرت مولانا شاہ اللہ بخش بہاولنگریؒ کا شمار تحریکِ ریشمی رومال کے سرپرستِ اعلیٰ اور بانی سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے اجل خلفا میں ہوتا ہے۔ آپؒ کے آباؤ اجداد کا تعلق ریاست جیسلمیر سے تھا۔ ریاست کے راجہ سے خاص تعلق تھا، لیکن بعض حالات کے زیرِ اثر ان کا پورا خاندان ملتان منتقل ہوگیا۔ بعدازاں قصبہ منچر یاں (دیپال پور) اور پھر ککو بودلہ (ضلع بہاولنگر) آباد ہوئے۔

حضرت بہاولنگریؒ کی پیدائش 1865ء میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا نام میاں بختاور تھا۔ آپؒ کے والدِ گرامی کا پیشہ کاشت کاری تھا۔ ان کی اپنی ملن سار اور خدا ترس طبیعت کی وجہ سے علاقے میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ مولانا موصوفؒ نے ابتدائی تعلیم بہاولنگر ہی میں ایک قصبے ''سمجھو'' میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی میں مدرسہ حسین بخش (مٹیا محل، جامع مسجد دہلی) میں داخلہ لیا اور خوب دل لگا کر تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی ہی میں قیام فرمایا اور دہلی شاہی مسجد کے قریب ہی ایک مسجد مہر کن میں امام اور خطیب مقرر ہوئے۔ اسی دوران قرآن و حدیث اور دیگر کتب کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپؒ کی ذہانت اس کمال کی تھی کہ متعدد طلبا آپؒ سے علم حاصل کرنے کے خواہش مند رہتے تھے۔ مسجد میں کوئی باقاعدہ مدرسہ تو نہ تھا، لیکن آنے والے طلبا میں سے دس کا انتخاب کر کے قیام کی اجازت دیتے اور انھیں پڑھاتے۔

دہلی میں قیام کے دوران ہی آپؒ کو کسی شیخِ کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا جذبہ بیدار ہوا۔ یہ شوق اس قدر بڑھا کہ اس کے لیے تلاش کا آغاز فرمایا، لیکن باوجود کوششوں کے دہلی میں کسی سے بھی مناسبت پیدا نہیں ہوئی۔ آپؒ اُن دنوں اسی مسجد ہی میں امامت کے فرائض ادا فرما رہے تھے کہ جب حضرت اقدس عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اپنے مرض کے علاج کے لیے دہلی تشریف لائے اور نماز باجماعت کی پابندی کے لیے اس مسجد میں قیام فرما ہوئے۔ حضرتؒ کے اَخلاق دیکھ کر آپؒ بڑے متأثر ہوئے اور پھر حضرتؒ سے بیعت کا اشتیاق دل میں پیدا ہوا۔ چناں چہ رائے پور حاضر ہو کر قصبہ لودھی پور کے سفر کے دوران حضرت اقدس رائے پوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور ذکر و اذکار کی پابندی کر کے سلوک کی منازل طے کیں اور حضرتؒ کی خلافت سے مشرف ہوئے۔

ایک بار بہاولنگر کے معززین حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ یہاں بہاولنگر میں دینی اُمور کے حوالے سے ہماری رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔ آپ مولانا اللہ بخش کو یہاں بھیج دیں۔ حضرت عالیؒ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور مولانا بہاولنگریؒ سے فرمایا: ''مولانا! آپ کے اعزہ و اقارب اور اہلِ وطن کا بھی آپ پر حق ہے۔... مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ وطن تشریف لے جا کر اصلاح و تربیت کا کام سرانجام دیں۔ اور مخلوقِ خدا کو خالق سے تعلق پیدا کرنے کے لیے رہنمائی فرماتے رہیں''۔ اس طرح مولانا موصوفؒ دہلی چھوڑ کر چک نادر شاہ (بہاولنگر) منتقل ہوگئے اور درس و تدریس کا آغاز فرمایا۔ ایک سفر کے دوران حضرت عالی رائے پوریؒ کا گزر بہاولنگر سے ہوا تو ایک جنگل کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں ایک مرکز کا قیام زیادہ مبارک ہوگا۔ چناں چہ حضرت بہاولنگریؒ نے بہاولنگر کے قریب ایک بستی ''دین پور'' نام سے آباد کی اور ایک مسجد و مدرسہ بھی قائم فرمایا۔

ولی اللّٰہی اکابرین جہاں وطنِ عزیز کی حریت و آزادی کے لیے میدانِ عمل میں رہے، وہیں نئی نسل کو قرآنِ حکیم کی تعلیمات کو اجتماعی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور سمجھانے کا بھی اہتمام تسلسل کے ساتھ کیا گیا۔ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور انھی تاریخی روایات اور فکر و عمل کا ترجمان ہے۔ حضرت عالی رائے پوریؒ نے قرآنی اُصول اور اس کے مطابق عصری تقاضوں کا فہم و شعور عام کرنے کے لیے مکاتبِ قرآنیہ کا اجرا فرمایا تھا۔ اگر ہم صرف ریاست بہاول پور کی بات کریں تو منچن آباد، بہاولنگر، ہارون آباد، چشتیاں، خیر پور، لیاقت پور اور صادق آباد وغیرہ میں اس سلسلۂ مکاتیب کی شاخیں قائم ہوئیں۔ ان مکاتیب کے قیام میں مولانا رحیم بخشؒ، جج صاحب چوہدری عالم علیؒ اور مولانا اللہ بخش بہاولنگریؒ کے علاوہ خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اور مولانا غلام قادرؒ نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرتِ عالی رائے پوریؒ نے اس علاقے کے ان مکاتیب کی نگرانی و رہنمائی کی ذمہ داری حضرت مولانا بہاولنگریؒ اور چوہدری عالم علیؒ کے سپرد کی تھی۔

دین پور (بہاولنگر) میں 1907ء میں مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ انوارِ ہدایت قائم کیا گیا تو اس کا اہتمام مولانا موصوفؒ ہی کے ذمہ تھا۔ اس مثالی ادارے نے ایسی ترقی کی کہ اسے اس علاقے کا اُم المدارس کہا جاسکتا ہے۔ مولانا موصوفؒ علومِ دینیہ کی درس و تدریس کے ماہر خیال کیے جاتے تھے۔ مزید یہ کہ حضرت عالی رائے پوریؒ کی مستقل نگرانی و رہنمائی میں اسے چار چاند لگ گئے۔ حضرتِ عالی رائے پوریؒ کے پاس اگر کوئی استعداد اور زیادہ صلاحیت والا طالب علم آتا تو اسے آپ مولانا موصوفؒ کے پاس دین پور میں بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت عالی رائے پوریؒ نے خود اپنے صاحب زادے حافظ عبدالرشید کو بھی حفظ کرنے کے بعد دینی علوم کی تحصیل کے لیے دین پور ہی بھیجا تھا۔

الغرض! آپؒ سلسلۂ عالیہ رائے پور کے قرآنی مکاتیب و مدارس کے قیام، انتظام اور نگرانی میں حضرتِ عالیؒ کے ساتھ رہے۔ ان تمام مکاتیب کو ایک منظّم عمل سے مربوط کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے لیے جو انتظامی بورڈ بنایا گیا، مولانا موصوفؒ اس کے بھی ایک اہم ترین رکن تھے۔ طلبا اور اساتذہ کے لیے ضابطہ اَخلاق پر عمل درآمد سے لے کر نئے علاقوں میں اس طرح کے مکاتیب کی ترغیب کے لیے اسفار تک آپؒ کی زندگی انتھک جدوجہد سے عبارت ہے۔ ریاست بہاولپور کی تاریخ قرآن فہمی کی تحریک میں حضرت عالی رائے پوریؒ اور مولانا موصوفؒ کی کاوشوں کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔

آپؒ کا وصال ۱۰/ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ / 30/ اکتوبر 1933ء کو ہوا۔ نمازِ جنازہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے پڑھائی۔ آپؒ کا مزار دین پور، ضلع بہاولنگر میں مرجع خلائق ہے۔

www.rahimia.org

وفیات

مفتی محمد یوسف میواتی قاسمی

بزرگانِ رائے پور کے نہایت عقیدت مند مسترشد

مولانا محمد حنیف میواتی امینی

آہ! اب نہیں رہے!

۱۱/ربیع الاوّل ۱۴۴۴ھ /8/ اکتوبر 2022ء بروز ہفتہ بعد نمازِ مغرب علاقہ میوات کے گم نام، مگر بلند مقام بزرگ عالمِ دین، ولی صفت انسان حضرت مولانا محمد حنیف میواتی امینیؒ کے وصال کی دل دہلا دینے والی خبر موصول ہوئی۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون.

مولانا امینیؒ (ولادت: 1951ء) ایک اچھے اور سچے انسان ہونے کے ساتھ پختہ علمی صلاحیت کے مالک اور کامیاب فاضل تھے۔ آپؒ کی پوری زندگی خدمتِ قرآن وسنت میں صرف ہوئی۔ 1974ء میں رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد سے مرض الوفات تک تقریباً نصف صدی دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ بچپن سے ہی مزاج میں تدیُّن غالب تھا۔ جہالت کے ماحول سے دینی تعلیم کی طرف ازخود رغبت فرمائی۔ اپنی درخواست پر مدرسے میں داخل کیے گئے۔ اساتذہ کے منظورِ نظر رہے۔ مدرسہ سبحانیہ قصاب پورہ دہلی کے اساتذہ کی صحبت نے صالحیت میں مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اور چار چاند تب لگے جب آپؒ نے تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور تصوف کے ایک عظیم اصلاحی دبستانِ رحیمی سے منسلک ومربوط ہوئے۔

سب جانتے ہیں کہ زمانۂ طالبِ علمی کیسا آزادی کا زمانہ ہوتا ہے، مگر آپؒ کی فطرت صالحہ تھی کہ آپؒ نے خود کو ایک شیخِ کامل کے حوالے کر دیا۔ یہاں سے آپؒ مزید پختہ ہوتے ہی چلے گئے۔ آپ کو تصوف کے سلسلۂ رحیمیہ رائے پور سے بہت عقیدت اور دلی وابستگی تھی۔ آپؒ کے سوانحی خاکے میں بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ:

’’جن دنوں ہم مدرسہ سبحانیہ دہلی میں زیرِ تعلیم تھے تو شیخ المشائخ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے نواسے اور خانقاہِ رائے پور کے تیسرے مسند نشین مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ تشریف لایا کرتے تھے۔ بارہا زیارتِ شرف حاصل ہوا۔ مجلسِ ذکر وفکر منعقد ہوتی۔ ہر مرتبہ طلبا واساتذہ سے قیمتی نصائح پر مشتمل خطاب ہوتا۔ سبھی خوب فیض یاب ہوتے۔ بڑے چھوٹے سبھی ان کے احترام واستقبال میں بچھے جاتے۔ عجیب پُرانوار و تجلیات سے بھری گھڑیاں ہوتیں۔ کبھی مختصر اور کبھی طویل حضرت کا قیام رہتا۔ بزرگانِ رائے پور کی مدرسہ سبحانیہ پر ہمیشہ نظرِ عنایت رہی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ بھی یہاں بہت تشریف لایا کرتے تھے۔ بانیٔ مدرسہ حضرت مولانا عبدالسبحان خاں میواتیؒ سے آپؒ کو بہت تعلقِ خاطر تھا۔ حضرتؒ کے فرزند و جانشین عربی کے قادرالکلام شاعر حضرت مولانا عبدالمنان دہلویؒ تو آپؒ سے شرفِ خلافت بھی رکھتے تھے، بلکہ عموماً علمائے میوات نے بیعت کا تعلق بزرگانِ رائے پور سے ہی رکھا تھا۔

اس کے بعد ہم مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی چلے گئے۔ ایک روز خبر ملی کہ مولانا عبدالعزیز رائے پوری تشریف لائے ہوئے ہیں اور قیام بَلّی ماران کی حویلی اعظم خان میں ہے۔ بس خوشی کے ٹھکانے نہیں تھے۔ شوقِ لقا اور تمنائے زیارت سے دل دھڑکنے اور آنکھیں پھڑکنے لگیں۔ چاہتے تھے کہ بس دوسرے لمحے حضرتؒ کے سامنے ہوں۔ ہم حویلی اعظم خان کی طرف چل پڑے اور عزمِ مصمم تھا کہ آج تو حضرتؒ سے بیعت ہونا ہی ہے۔ پہنچے تو دیکھا کہ ملاقات کے لیے علما ومشائخ کی بھیڑ لگی ہے۔ ہم زیارت کے لیے حاضرِ خدمت ہوگئے۔ کچھ لوگ بیعت کے لیے آئے ہوئے تھے، ہم ان کے ساتھ بیعت سے شرف یاب ہوگئے۔ یہ ہمارا مشکوٰۃ کا سال تھا۔ حضرتؒ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد میں نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے معتمد وخلیفہ مولانا محمد الیاس میواتی امینیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ 1947ء کے دل دہلا دینے والے ہنگامۂ قیامت خیز میں میری اکلوتی پھوپھی بھی پاکستان چلی گئی تھیں۔ لاہور کے قریب بدر پور نامی گاؤں میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھیں۔ جن دنوں وہ زیادہ بیمار رہنے لگیں تو پھوپھوزاد بھائی نے مجھے بہ اصرار پاکستان بلا لیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ لاہور میں شیخ زادے حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ (ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ میں) قیام پذیر ہیں۔ بس شیخ کی یاد اور محبت نے شیخ کے جگر پارہ سے ملاقات پر مجبور کر دیا۔ فوراً لاہور کے لیے روانہ ہوگیا، مگر تب تک میں پہنچا' مولانا ایک لمبے سفر پر نکل چکے تھے۔ میں نے اپنا تعارف، اس خانوادے سے تعلق اور آنے کی غرض بیان کی۔ موجودین بہت خوش ہوئے۔ ان لوگوں نے حد سے زیادہ اکرام واحترام واپنائیت کا اظہار فرمایا۔ خانقاہ، ادارہ، مسجد اور کتب خانہ وغیرہ کی بڑی اہتمام کے ساتھ زیارت کرائی، بلکہ چلتے وقت اس ناچیز کے لیے بطور ہدیہ ’’سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ‘‘ بھی عنایت فرمائی۔ فجزاھم اللّٰہ خیرًا۔ اس کتاب کو میں اس سفر میں ملنے والی نعمتِ غیر مترقبہ اور حاصلِ سفر سمجھتا ہوں۔ مجھے اس کتاب کی اشاعت کا علم نہیں تھا، اسے پا کر کس قدر مسرت ہوئی، بیان نہیں کر سکتا۔ اس کتاب سے مجھے بہت لگاؤ ہے۔ سنبھال کر بہت احتیاط سے رکھتا ہوں۔ جب شیخ کی یاد آتی ہے تو یہ کتاب پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ قرآن کریم کے علاوہ یہ واحد کتاب ہے، جسے میں نے سب سے زیادہ پڑھا ہے، مگر سیری نہیں ہوتی۔ اس کتاب کو سلسلۂ رحیمیہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری نے تصنیف کیا ہے۔ بہت وقیع ترین اور قابلِ مطالعہ کتاب ہے‘‘۔

(مجلّہ ’’رہنمائے میوات‘‘ شمارہ بابت ستمبر، اکتوبر 2022ء)

درجِ بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ کو سلسلۂ رحیمیہ سے کتنی عقیدت و محبت تھی۔ بہر کیف مولانا محمد حنیف میواتیؒ اَب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مولاناؒ اپنی یادداشتوں کے سہارے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ محبت کرنے والوں کے دل ودماغ آپؒ کی یادوں سے ہمیشہ رہنمائی اور فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اور محظوظ ہوتے رہیں گے۔ کردار کی بلندی اور معاملے کی صفائی کیسے بھلائی جا سکتی ہے۔

مولاناؒ کی نمازِ جنازہ مولانا محمد یحییٰ کریمی (صدر جمعیت علمائے ہند، میوات) کی اقتدا میں ادا کی گئی اور تدفین گاؤں کے قبرستان ’’سلطان پٹ‘‘ میں عمل میں آئی۔ پس ماندگان میں چھ بیٹیاں اور ایک بیوہ ہے۔ نرینہ اولاد کوئی نہیں۔ ایک بھائی حیات ہیں۔ البتہ آپؒ کی روحانی اولاد کی شاگردوں کی شکل میں کھیپ کی کھیپ موجود ہے، جو آپؒ کے لیے صدقۂ جاریہ بنی رہے گی۔

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بقیہ **میثاقِ عدل کی واضح طور پر خلاف ورزی**

ہمارے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے (1857ء کے بعد) اپنے سکون واطمینان کے زمانے میں (تحریکِ آزادی کے حوالے سے) ایسے کام کیے ہیں، جن کا اس وقت اظہار کرنا مناسب نہیں ہے۔ گھروں میں بیٹھنے والے رجعت پسند لوگوں کے مکروفریب کو توڑنے اوران کے باطل دعوؤں کی تردید کے لیے یہ بات کافی ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ جیسے لوگ ہمارے شیخ (حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ) کی سیاسی جماعت میں پورے طور پر شامل رہے ہیں''۔ (الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن)

بقیہ **افکار امام ولی اللہ دہلویؒ**

(کاملین کی ارواح سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ)

(یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ) کامل انسانوں کی روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک ''الموج المکفوف" (بند موج) کی طرح ہوجاتی ہیں، اُن کو کوئی بدلتا ہوا اِرادہ اور کوئی عارضی سبب اور داعیہ حرکت نہیں دے سکتا (جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا)۔ اور وہ نفوس جو اُن سے کم درجے میں ہوتے ہیں، وہ کاملین کی روحوں کے ساتھ اپنے عزم وہمت سے جڑتے ہیں اور اُن روحوں سے نور کھینچتے ہیں۔ اور ایسی ہیئت وصورت جو اُن کاملین کی روحوں سے مناسبت رکھتی ہے، حاصل کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا یہی مطلب اور مراد ہے کہ: ''کوئی آدمی ایسا نہیں، جو مجھ پر درود وسلام بھیجے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسے میری روح کی طرف لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس کا جواب دیتا ہوں''۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ: 925) میں نے اس طرح آپؐ کے جوابی سلام کا بے شمار دفعہ مشاہدہ کیا ہے۔ جب میں مدینہ منورہ میں ۱۱۴۴ھ میں روضۂ رسولؐ پر حاضر تھا۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری قبر کی زیارت کو عید مت بنا لینا''۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ: 926) میں کہتا ہوں کہ: یہ دین میں تحریف کی دخل اندازی کا دروازہ روکنے کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاؑ کی قبروں کے حوالے سے کیا تھا کہ انھوں نے اپنے انبیاؑ کی قبروں کو عید اور حج کی طرح کا ایک موسم بنالیا تھا''۔

(باب الاذکارِ وما یتعلّق بھا)

بقیہ **تبدیلیٔ نظام؛ وقت کی سب سے بڑی ضرورت**

ان کے پاس کوئی اَور حل نہیں ہے، بس منہ کالا کرنے کے لیے شوکت عزیز، حفیظ شیخ، شوکت ترین، مفتاح اسماعیل اور اسحاق ڈار جیسے ٹیکنو کریٹس رکھے ہوئے ہیں، جو اَدل بدل کر آتے ہیں اور وہی کارروائی دُہرا کر آگے بڑھتے ہیں۔ قومی معیشت پر میرے حالیہ کالمز کے بعد قارئین کی جانب سے اس مسئلے کے حل کے حوالے سے پوچھا گیا۔ اس حوالے سے جون اور جولائی 2022ء کے کالمز کا مطالعہ کرلیا جائے، لیکن مجوزہ حل جُزوقتی ہے۔ ہمہ جہتی حل تبدیلیٔ نظام میں ہی مضمر ہے، جتنی جلد ہوجائے۔ اس کے لیے قوم کا تیار ہونا ضروری ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا فصل کاشت کرتے وقت یا کاشت سے قبل کسی سے اس فصل کی قیمت طے کرکے خرید وفروخت کا معاملہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کیا اس بیع کو بیع سَلَم میں شمار کرسکتے ہیں؟ سائل: راؤ ضیاء الرحمٰن، لاہور

جواب جب فصل تیار نہ ہو اور اس کے اوصاف بھی ظاہر نہ ہوں اس وقت تک اس کی خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں۔ کیوں کہ تیاری سے قبل فصل کے معدوم ہونے کے خدشات موجود ہوتے ہیں۔ جب فصل تیار ہوجائے یا اس کے قابلِ منفعت اوصاف ظاہر ہوجائیں تو پھر اس کی بیع کرنا درست ہے۔

بیع سَلَم: بیع الآجل بالعاجل (یعنی نقد معین قیمت ادا کرکے اُدھار جنس (غلہ یا کسی مثلی چیز) کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں، جس میں فریقین کسی خاص ایکڑ اور رقبے کی فصل کی قید نہیں لگا سکتے، بلکہ غلے کا وزن، اس کی نوعیت، اس کی ادائیگی کا وقت اور جگہ کا تعین طے کرنا ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ صورت بیعِ سَلَم کے ضمن میں نہیں آتی، بلکہ بیع المعدوم کہلاتی ہے۔ یعنی کاشت والی خاص فصل، جس کی بیع ہو رہی ہے، وہ معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع شرعاً جائز نہیں۔

سوال قضا عمری میں اگر یاد نہ ہو تو نمازوں کی قضا کا کیا طریقہ ہے؟

جواب جس قدر نمازیں قضا ہوئی ہیں، ان کو جس طرح چاہے ادا کرے، خواہ وقتی نماز سے پہلے پڑھ لے یا بعد میں یا ایک وقت میں پانچوں نمازیں بمع وتر روزانہ پڑھتا رہے۔ وقتی نماز میں جماعت کی نماز نہ چھوڑے۔ طریقہ یہ ہے کہ مثلاً نماز فجر کی فرض نماز کی قضا کی نیت یوں کرے کہ میری زندگی میں فجر کی جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان میں سے جو سب سے پہلی ہے میں اس کی قضا کی نیت کرتا ہوں۔ اسی طرح روز کرتا رہے، یہاں تک کہ یقین یا غالب ظن ہوجائے کہ بلوغت کے بعد میرے ذمہ جس قدر فجر کی نمازیں تھیں ادا ہوگئی ہیں اور باقی نمازوں کی بھی اسی طرح نیت کرے گا۔

سوال میری شادی اپنے چچا کے گھر ہارون آباد میں ہوئی جو کہ میرے والد محترم کی جائے پیدائش ہے جب کہ میری مستقل رہائش لاہور کی ہے اور ہارون آباد میں میرے والد صاحب کے نام کچھ پراپرٹی ہے جو ان کا آبائی وطن ہے اور جب کہ میری ذاتی ملکیتی پراپرٹی یا مکان وغیرہ کچھ نہ ہے۔ میں اپنے والد محترم کے زیرِ کفالت ہوں تو کیا ان صورتوں میں جب میں ہارون آباد آؤں تو وہاں نماز قصر کروں گا یا پوری نماز پڑھوں گا؟

سائل: راؤ عزیز احمد، لاہور

جواب صورت مسئولہ میں چوں کہ سائل اپنے والد کے زیرِ کفالت ہے، لہٰذا جو حکم والد محترم کے لیے ہے وہ بیٹے کے لیے بھی جاری ہوگا۔ یعنی پوری نماز پڑھے گا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔